خانقاہ سراجیہ کا عظیم دینی کتب خانہ

چند ضروری توضیحات

قاضی محمد شمس الدین

ماہنامہ فکر و نظر بابت ماہ اپریل ۱۹۷۰ء میں برادرم محترم پروفیسر محمد رفیع اللہ خان صاحب کا ایک بیش قیمت مضمون بعنوان "ایک عظیم دینی کتب خانہ" شائع ہوا تھا۔ چونکہ پروفیسر صاحب موصوف کا خانقاہ سراجیہ کندیاں میں بہت مختصر قیام رہا اس لئے مضمون میں چند تسامحات رہ گئے۔ مناسب معلوم ہوا کہ قارئین "فکر و نظر" کی تکمیل معلومات کے لئے چند توضیحات پیش کر دی جائیں۔

۱۔ پروفیسر صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ

"اس کتب خانے کی بنیاد مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب نے ڈالی، مصنف ایک جید عالم تھے۔" صفحہ ۹۵

یہاں لفظ "مصنف" بالکل بے محل ہو گیا ہے۔ غالباً پروفیسر صاحب لفظ "بانی" یا "موصوف" لکھنا چاہتے تھے۔

۲۔ اسی صفحہ پر لکھا ہے "مولانا نے اپنی کتابوں کے ساتھ اپنی زرعی جائداد بھی اس مقصد کے لئے" وقف" کردی تھی، اس لئے کتب خانہ سے استفادہ کرنے والوں کے لئے قیام و طعام کا بلا معاوضہ مناسب انتظام ہے۔"

یہاں یہ توضیح ضروری ہے کہ نہ یہ کتب خانہ "وقف" ہے۔ نہ ہی اس کی زرعی جائداد "وقف" ہے۔ حضرت مولانا احمد خان صاحب اس علاقہ کے خاندانی بڑے زمیندار تھے اور خاندانی مہمان نواز بھی۔ اور ان کے بعد وہی روش ان کے خلفائے قائم رکھی کہ ہر وارد اور صادر کے لئے اس کے حسب حال مناسب وقت تک قیام و طعام خانقاہ شریف کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔ مگر اصطلاحی وقف کچھ بھی نہیں۔

۳۔ صفحہ ۹۸ پر تخریج احادیث مبسوط کی نسبت حضرت مولانا احمد خان صاحب کی طرف کی ہے جو

صحیح نہیں ہے۔ یہ تحریک مولانا موصوف کے مرشد حضرت خواجہ محمد سراج الدین صاحب نے موسیٰ زئی شریف میں شروع کی تھی اور تکمیل کے لئے مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب کے سپرد کی تھی مگر افسوس کہ حضرت مولانا ابوالسعد کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ کام ان کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکا۔

لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا - (شاید اللہ اس کے بعد کوئی سبیل پیدا کر دے)

<u>کتب خانہ کی معنوی افادیت</u>:۔ سوال یہ ہے کہ اس دور افتادہ جنگل میں اتنا عظیم اور بیش قیمت کتب خانہ کیسے فراہم ہو گیا، اور اس فراہمی کا مقصد کیا تھا؟ ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تصوف کے سلاسلِ اربعہ شریعتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقی روح تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ بقول عارف رومی علیہ الرحمۃ ؎

علم باطن ہم چو مسکہ علم ظاہر ہم چو شیر

اور اپنے اپنے زمانے میں ان سلاسل کے تربیت یافتہ کامل و مکمل صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کی طرف لوگوں کی عمدہ رہبری فرمائی۔ مگر آخر زمانہ میں ان سلاسل کے اعمال و اشغال میں کچھ لوگوں نے بڑا غلو کیا اور اپنی اغراض مبتدعہ کے اثبات کے لئے فرضی اور وضعی روایات سے کام لیا۔ بقول شاعر۔ ؎

چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

حضرت مولانا احمد خان صاحب قدس سرہٗ نے علم تصوف کو اصل شریعت کے مطابق کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ علوم دینیہ کا ایک جامع کتب خانہ فراہم کیا جائے۔ اور نقد و جرح کے بعد جو بات منقح ہو جائے اس پر عمل کیا جائے۔ خانقاہ سراجیہ کی یہ ایک اہم خصوصیت تھی کہ جو شخص بھی کوئی مسئلہ کسی فن کا بیان کرے، وہ کتابوں میں سے بھی نکال کر دکھلائے۔ اور چونکہ مذاہب اربعہ اور سلاسلِ اربعہ کی، اور ان کے متعلقات کی، ہر قسم کی کتابیں بہت ہی کثیر تعداد میں موجود تھیں، اور مسئلہ کے تسلیم ہونے کی شرط یہ تھی کہ کتابوں کے حوالے سے مسئلہ ثابت کیا جائے، اس لئے کوئی شخص کوئی کمزور یا بے دلیل بات کرنے کی جرأت ہی نہ کر سکتا تھا۔

دوسری خاص بات جو اس کتب خانہ سے متعلق تھی، وہ یہ تھی کہ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب طریقت کے مرشد اور مربی تھے، طریقت میں عالی ظرفی، وسعتِ قلبی اور دوسروں کی رائے کے مناسب احترام، اور اختلاف کی صورت میں موزوں و ملائم معارضہ کی تربیت اپنے منتسبین کو ہمیشہ دیتے رہتے تھے۔ جہاں مختلف الخیال علماء کا اجتماع رہتا تھا۔ حضرت کے خدام میں اکثریت اجلہ علماء کی تھی۔ مولانا عبدالخالق

صاحب مرحوم بانی دارالعلوم کبیروالا ضلع ملتان، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم سرگودھا اور مولانا قاضی محمد صدرالدین صاحب بانی خانقاہ نقشبندیہ ہری پور ہزارہ جیسے محقق علماء شریک محفل رہتے تھے۔
ایسے حالات میں آراء کا اختلاف لازمی تھا۔ اور اس اختلاف کو اجتماع کی صورت میں تبدیل کرنے کے لئے ایک بڑے کتب خانہ کی ضرورت تھی جو حضرت موصوف نے اپنے ذاتی وسائل سے اکٹھا کیا، اور اس طرح اپنے خدام علماء کی تربیت فرماتے تھے۔ بسا اوقات دورانِ بحث مسئلہ کا کوئی کمزور پہلو خود اختیار فرما لیتے، اور دوسرے علماء علم و فضل اسی مسئلہ کے مضبوط پہلو پر داد تحقیق دیتے رہتے، جب کافی بحث ہو چکتی، تو قبلہ حضرت صاحب اپنی رائے سے رجوع فرما کر دوسرے علماء کی ثابت کردہ رائے کو اختیار فرما لیتے۔ اس سے مستفیدین کو دو طرح کے فائدے ہوتے۔ ایک تو یہ کہ ہمیشہ مسئلہ کے راجح اور مضبوط پہلو کو اختیار کیا جائے۔ دوسرا فائدہ یہ کہ جب مسئلہ کا راجح اور مضبوط پہلو سامنے آ جائے تو چاہے اسے کسی چھوٹے آدمی نے ہی ثابت کیا ہو، اس کو بے چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیئے۔

<u>فراہمی کتب</u> :- مولوی عبدالتواب صاحب تاجر کتب ملتان، ابناء مولوی محمد بن غلام رسول سورتی بمبئی، عبدالصمد و اولادہ سورت، اور کلکتہ کے بعض بڑے تاجرانِ کتب کو حضرت کی ہدایت تھی کہ جب بھی کوئی نئی کتاب آئے فوراً خانقاہ سراجیہ کندیاں کو اطلاع دی جائے، اگر یہاں ضرورت نہ ہو تو پھر کسی اور کو فروخت کی جائے۔ اس کے علاوہ مطبع بریل لیڈن ہالینڈ اور لندن کے بعض بڑے کتب فروشوں سے بھی مراسلت رہتی تھی اور مطبوعات یورپ ان کے ذریعے فراہم ہوتی تھیں۔ ذوق بے حد نفیس تھا۔ ایک کتاب آئی، بعد کو پتہ چلا کہ فلاں مطبع میں یہ کتاب زیادہ صحت سے چھپی ہے، وہ کتاب بھی منگوا لی، پھر معلوم ہوا کہ یہی کتاب مصر یا استنبول میں بہت خوب صورت چھپی ہے، وہ بھی منگوا لی۔

لغت کی مشہور کتاب قاموس کی شرح تاج العروس آئی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ قاموس کے متعلق ایک کتاب قسطنطنیہ میں "الجاسوس علی القاموس" کے نام سے چھپی ہے، وہ بھی منگوا لی۔ قاموس کے متعلق ہی ایک نایاب قلمی کتاب الادموس علی القاموس بھی کتب خانہ میں موجود ہے۔

لغات حدیث کی مشہور کتاب نہایۃ ابن اثیر (۴ جلد) ایک کباڑی کے یہاں سے چار روپے میں دست یاب ہوگئی، کتاب کی عظمت کے پیشِ نظر جلد بندی کے لئے یہی کتاب کلکتہ بھیجی گئی، وہاں سے اس کتاب کی بغیر گتہ مراکو لیدر کی جلد اڑتالیس ۴۸ روپے میں بن کر آئی۔ اور یہ اڑتالیس روپے آج کے نہیں

۱۹۳۴ء کے تھے۔

تفسیر روح المعانی کی اطلاع آئی۔ اس کی قیمت کے مطابق رقم اس وقت پاس موجود نہ تھی۔ حضرت بڑے متفکر تھے۔ ایک وقت کا کھانا نہ کھا سکے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کو جب صورتِ حال کا علم ہوا، تو موصوفہ نے اپنا طلائی ہار لاکر پیش کر دیا کہ فی الوقت ہار فروخت کر کے آپ کتاب منگوالیں۔

آپ کو اپنی کتابوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ حتی الامکان کتاب عاریتاً نہیں دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ کتاب ایک بار گھر سے نکل جائے تو ٹھیک سے واپس نہیں آتی۔ یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے ؎

الا یا مستعیر الکتب اقصر　　فان اعارتی للکتب عار

فمحبوبی من الدنیا کتاب　　وهل ابصرت محبوبا یعار

(خبردار اے کتابیں عاریت مانگنے والے ایسا نہ کر، کیونکہ میں کتابیں عاریت دینے میں عار محسوس کرتا ہوں۔ دنیا میں میرا محبوب کتاب ہے۔ اور تم نے دیکھا ہے کہیں محبوب بھی عاریۃً دیا جاتا ہے۔)

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب کتب خانہ میں کوئی کتاب دیکھ رہے تھے۔ کتاب پر معمولی سا غبار محسوس ہوا۔ تو غبار جھاڑنے کے لئے زور کے ساتھ کتاب دھپ سے بند کی۔ حضرت مولانا برآمدہ میں بیٹھے تھے، بیتاب ہو کر اٹھے اور دوڑ کر اندر تشریف لے گئے، مولوی صاحب سے پوچھا کہ اتنے زور سے آپ نے کتاب بند کی تھی؟ ان مولوی صاحب نے محجوب ہوتے ہوئے کہا کہ حضرت! کتاب پر گرد و غبار تھا وہ جھاڑنے کے لئے میں نے زور سے کتاب بند کی۔

حضرت نے فرمایا، مولوی صاحب! مجھے بیوی یا بیٹی کی گالی سے اتنا صدمہ نہیں ہوتا جتنا اپنی کتاب کی بے حرمتی دیکھ کر ہوتا ہے۔ غبار ہی صاف کرنا تھا تو رومال سے آہستہ سے صاف کرتے۔ پھر اپنے عربی رومال سے آہستہ آہستہ کتاب کو صاف کر کے بتلایا کہ اس طرح نرمی سے صاف کر لیتے، آپ کی دھپ تو میرے دل پر لگی۔

خانقاہ سراجیہ کی چند خصوصیات

<u>اتباعِ کتاب و سنت</u>:- ہر چند کہ شریعت و طریقت ایک ہی منزلِ مقصود کی دو راہیں یا ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں، مگر اس امرِ واقع سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض جاہل صوفیاء تو ایک

طرف، علماء و فقہاء بھی جب کبھی سلوک و درویشی کی حدود میں داخل ہوتے ہیں تو ان کا قدم بھی جادۂ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے سلسلہ کی رسومات کی ادائیگی میں اتنا اہتمام اور شدت اختیار کر جاتے ہیں کہ اتباعِ کتاب و سنت کا دامن ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور بدعات کو "طریقت" سمجھتے ہوئے اعتقادی اور عملی معصیتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب اس سے مختلف تھے۔ آپ کا ہر عمل سنت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا تھا اور اپنے متبعین کو بھی اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید فرماتے رہتے تھے۔ آپ وسیع العلم ہونے کے ساتھ بے حد وسیع القلب تھے۔ خانقاہ شریف میں ہر قسم کے مبتلاء معاصی اشخاص آتے رہتے مگر حضرت کبھی بھی کسی کا عیب اس کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے، نہ کبھی کسی کے عیب پر تمسخر یا طنز کرتے۔ تصوف کے اس اصول پر عمل تھا:-

لا تعیر بمعصیۃ اخیک۔ فیعفہ اللہ و یبتلیک۔ (کسی گناہ پر اپنے مسلمان بھائی کو طعنہ مت دو، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے وہ گناہ چھڑا کر تمہارے ساتھ لگا دے)۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ علماء ظواہر لوگوں کے کانوں کو نصیحت کرتے ہیں اور اربابِ قلوب لوگوں کے دلوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی باطنی توجہ اور صحبت کا اثر یہ تھا کہ اہلِ معاصی کو حضرت کی صحبت کی برکت سے اپنے معاصی سے خود بخود نفرت ہو جاتی تھی۔

ایک خاص عادت مبارکہ یہ بھی تھی کہ دوسرے مذاہب کا ان مسائل میں خیال رکھتے تھے جن میں اپنے مذہب کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔ مثلاً دو سجدوں کے درمیان احناف کے نزدیک کوئی ذکر ثابت نہیں مگر حنابلہ کے نزدیک دو سجدوں کے درمیان اللّٰھم اغفرلی پڑھنا فرض ہے۔ آپ بھی سنن و نوافل میں بین السجدتین "اللّٰھم اغفرلی" پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح قعدہ اخیرہ میں علماء ظواہر کے نزدیک دعا "اللّٰھم انی اعوذ بک من عذاب القبر الخ" پڑھنی فرض ہے، حتیٰ کہ اس دعا کے سوا کوئی اور دعا پڑھنے سے۔ علماء ظواہر کے نزدیک۔ نماز ہی درست نہیں ہوتی، آپ بھی یہ دعا پڑھتے تھے۔ نیز اہلِ ظواہر کے نزدیک فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان تھوڑی دیر لیٹ جانا ضروری ہے، آپ بھی سنتوں اور فرض کے درمیان گھر میں لیٹ جایا کرتے تھے۔

ایک اہم ملفوظ:- آخر میں ایک اہم ملفوظ مبارک جو کتابوں کے متعلق ہی ہے درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے تھے کہ تصوف کی حقیقت تو مرشد کامل کے بغیر ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن اگر کوئی

آدمی کتاب عوارف المعارف مؤلفہ شیخ شہاب الدین سہروردی، غنیۃ الطالبین، کتاب شرح الحکم مؤلفہ ابن عطاء اللہ اسکندری، رسالہ قشیریہ امام ابوالقاسم قشیری اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی زیرِ مطالعہ رکھے تو علم تصوف صحیح ہو جاتا ہے۔

نیز اس زمانہ میں صحیح تصوف کے فقدان اور غلط تصوف کے رواج پر اکثر متأسف رہتے اور فارسی اور عربی کے درجِ ذیل اشعار گاہے گاہے بڑی حسرت سے پڑھا کرتے تھے۔

۱۔ بیغما، آنچناں بردند، خوان می پرستان را
نہ می ماند نہ می خانہ نہ ساقی ماند نے ساغر

۲۔ اما الخیام فانہا کخیامہم وأری نساء الحی غیر نسائہا
(خیمے تو انہی جیسے ہیں مگر قبیلے کی عورتیں وہ نہیں۔)

ایک اچھی روایت :- آپ نے ایک روایت یہ قائم فرمائی کہ اپنی زندگی میں ہی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب کو، اپنی نرینہ صاحبِ علم و عمل اولاد کو چھوڑ کر، اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ مولانا سلیم پور تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ کے باشندہ تھے۔ چنانچہ آپ کے بعد چودہ برس مولانا عبداللہ زیبِ سجادہ رہے۔ مولانا عبداللہ صاحب نے بھی اپنی زندگی میں موجودہ سجادہ نشین صاحب مولانا خان محمد صاحب کو نامزد فرما دیا تھا، حالانکہ مولانا عبداللہ صاحب کے بھی صاحب زادے حافظ مولوی محمد عابد صاحب موجود تھے۔